سے انکار کرتی ہے .... اسلام انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔ مگر یہ ملکیت آزاد اور خود مختار نہیں ......" ——— تیسرے اُصول کے ذیل میں مفتی صاحب نے "تقسیم دولت کے اسلامی مقاصد" بتائے ہیں، جو اسلامی معیشت کو اشتراکیت اور سرمایہ داری سے ممتاز کرتے ہیں۔

"تقسیم دولت کا اسلامی نظام" کیا ہے؟ اس پر گفتگو فرمانے سے پہلے مفتی صاحب نے تقسیم دولت کے سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا سرسری ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں اُن کا ارشاد ہے۔ سرمایہ دارانہ نظم معیشت میں پیداوار کا " ایک حصہ سرمایہ کو سُود کی شکل میں جاتا ہے۔ دوسرا حصہ محنت کو اُجرت کی شکل میں... تیسرا حصہ زمین کو لگان یا کرایہ کی صورت میں .... اور چوتھا حصہ آجر کے لئے منافع کی صورت میں ....."

لیکن مفتی صاحب اس ضمن میں ایک بات بھول گئے۔ سرمایہ دارانہ نظم معیشت سے جو پیداوار ہوتی ہے، اُس کے ایک خاص حد سے بڑھ جانے پر حکومت اس کا غالب حصہ ٹیکس اور سُوپر ٹیکس کے ذریعہ لے لیتی ہے، جس کی مقدار بعض دفعہ ننانوے فی صد تک پہنچ جاتی ہے۔ اور حکومت اسے رفاہِ عامہ پر خرچ کرتی ہے۔

تقسیم دولت کے اشتراکی نظریہ کے ذیل میں مفتی صاحب کا ارشاد ہے کہ چونکہ اُس میں انفرادی ملکیت نہیں ہے، اس لئے دولت کی مستحق صرف "محنت" ہے۔ جو اُسے "اُجرت" کی شکل میں ملتی ہے۔ اس کا نتیجہ بقول مفتی صاحب "یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو براہِ راست عملِ پیدائش میں شریک نہیں ہوتے۔ وہ دولت کی تقسیم سے محروم رہتے ہیں۔" لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے اشتراکی نظام میں بھی پیداوار کا ایک حصہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر صرف ہوتا ہے، اور اُس سے وہ لوگ مستفید ہوتے ہیں، جو کسی وجہ سے براہِ راست عملِ پیدائش میں شریک نہیں ہوتے۔

مفتی صاحب نے اپنی تقریر میں سُود پر تفصیل سے بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔ "سود کی حرمت اسلام کا وہ حکیمانہ فیصلہ ہے، جس کی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بہت سی خرابیاں بھی دُور ہو جاتی ہیں، اور اس کے بعد اشتراکیت کے مستبد اور غیر فطری نظام معیشت کو اختیار کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ یہی وہ اعتدال کی راہ ہے، جو موجودہ دنیا کو افراط و تفریط سے نجات دلا کر ایک متوازن اور منصفانہ نظام معیشت کی طرف رہنمائی کر سکتی ہے۔"

"اُجرتوں کا مسئلہ" کے عنوان کے تحت مفتی صاحب نے آجر اور اجیر دونوں کے فرائض کا ذکر کیا ہے۔ موصوف کے نزدیک جہاں اسلام نے آجر پر زور دیا ہے کہ وہ اجیر کو اپنا بھائی سمجھے اور اُس کے ساتھ انصاف برتے۔ وہاں بقول مفتی صاحب .... مزدور آجر کے جس کام کی ذمہ داری اُٹھاتا

ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے وہ ایک ایسا معاہدہ کرتا ہے جس کی پابندی اُسے صرف اپنا پیٹ بھرنے کے لئے نہیں کرنی ہے، بلکہ اُس کی اصل منزلِ مقصود یعنی آخرت کی بہتری بھی اسی پر موقوف ہے" چنانچہ مفتی صاحب مزدوروں کی ہڑتالوں کے حق میں نہیں ہیں۔ کیونکہ بقول اُن کے" .... جس آجر کا کام کرنا اُس (مزدور) نے قبول کیا ہے، اس کی ذمہ داری اُٹھا لینے کے بعد اب وہ خود اُس کا اپنا کام بن گیا ہے اور اس کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ پوری دیانت داری، مستعدی اور لگن کے ساتھ اُسے انجام دے، ورنہ وہ آخرت کی اس بہتری کو حاصل نہ کر سکے گا، جو اُس کا اصل منتہائے مقصود ہے"

اس سلسلے میں مفتی صاحب نے اُس زمانے کا ذکر کیا ہے، جب" اسلام ایک عملی نظام کی حیثیت سے اس دنیا میں کارفرما تھا .... اس دَور کی تاریخ میں "آجر" اور "اجیر" کے جھگڑوں اور ہڑتالوں کی کیفیت ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی جس نے کچھ عرصے سے پوری دنیا کو تہ و بالا کیا ہوا ہے ...."

ہم یہاں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے کہ آجر اور اجیر کے یہ جھگڑے اور ہڑتالیں بڑے پیمانے کی مشینی صنعتوں کا لازمہ ہے۔ اور اس کا حل یہ نکالا گیا کہ ایسے موقعوں پر حکومت مداخلت کرتی ہے، اور طرفین کے درمیان ثالث بنتی ہے۔ اس سے پہلے جب اس طرح کی بڑے پیمانے کی مشینی صنعتیں نہ تھیں تو پیشہ ور برادریاں ہوتی تھیں، جو مل کر اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتی تھیں۔

یہاں ہم مفتی صاحب کی خدمت میں سیّد جمال الدین افغانی کا ایک قول عرض کریں گے۔ بیان کیا جاتا ہے اُن سے مشہور فرانسیسی مصنف رینان نے "عدل" کی تعریف پوچھی تھی، جس کے جواب میں سید جمال الدین نے کہا تھا کہ جہاں قوتیں مساوی ہوں، وہیں عدل قائم ہوتا ہے۔ اب موجودہ صنعتی نظام میں آجر کے پاس غیر معمولی طاقت آگئی ہے، جس کا توڑ مزدور ہڑتال کا نوٹس دے کر یا ہڑتال کر کے کرتا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں حکومت کی مداخلت کرنا لازمی ہو جاتا ہے اور اس طرح طرفین کے درمیان عدل کا قیام ممکن ہوتا ہے۔

زیرِ نظر رسالہ میں ایک عنوان ہے "خراج و جزیہ"۔ اس ضمن میں ارشاد ہوتا ہے :" ...... دو مدّیں ایسی ہیں، جن میں مالکانِ دولت کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت کا کچھ حصہ حکومتِ وقت کو ادا کریں۔ ایک خراج اور دوسرا جزیہ" اور "جزیہ" کی وضاحت یوں کی گئی ہے :" اور جزیہ ایک تو اُن غیر مسلم افراد سے وصول کیا جاتا ہے، جو اسلامی حکومت کے باشندے ہوں اور حکومت نے اُن کے جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیا ہو۔ دوسرے ان غیر مسلم ممالک سے بھی جزیہ وصول کیا جا سکتا ہے، جن سے جزیہ کی ادائیگی پر صلح ہوئی ہو"

بے شک ایک زمانے میں "جزیہ" اسلامی حکومتوں کے محاصل کی ایک مد تھی، اور اُس زمانے کے لحاظ سے جزیہ کا نظام دوسرے مذہب والوں کی جان مال اور آبرو کی بہترین ضمانت تھا لیکن آج جب حکومتوں کی نوعیت ہی بدل چکی ہے اور ایک حکومت کے تمام شہریوں کو بین الاقوامی طور پر ہر قسم کی مساوات حاصل ہے، مفتی صاحب کا اپنے رسالے میں اسلامی نظام کے سلسلے میں جزیہ کا ذکر کرنا یہ بتاتا ہے کہ وہ آج کے زمانے کی سیاسیات سے مطلق کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مفتی صاحب نے محاصل کے ضمن میں زکوٰۃ، عُشر اور خراج و جزیہ کا تو ذکر کیا ہے لیکن نہیں کیا تو ٹیکسوں کا نہیں کیا، جو اس دَور میں حکومتوں کی آمدنی کی سب سے بڑی مد ہے۔ اور جس سے جہاں مصارفِ حکومت ادا ہوتے ہیں، وہاں قوم کے نادار طبقوں کی ضروریات بھی پوری کی جاتی ہیں۔

آج ہمارے ہاں بڑے بڑے صنعت کاروں میں حکومت کے ٹیکسوں سے بچنے کا جو عام رجحان پایا جاتا ہے، اور وہ اس فعل کو جائز سمجھتے ہیں، تو اس کا سبب یہی ذہنیت ہے جس کے پیدا کرنے میں مفتی صاحب جیسے بزرگوں کی اس قسم کی تحریروں کا بڑا دخل ہے۔

رسالے کے "حرفِ آغاز" میں جناب محمد تقی عثمانی صاحب مدیر ماہنامہ البلاغ نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا ہے:۔ "شیخ الازہر جناب باقوری نے مقالہ سُن کر کہا:۔ واللّٰہ علمٌ غزیرٌ" (خدا کی قسم بڑا وسیع علم ہے۔ ترجمہ۔ م۔ س)۔ اس سلسلے میں ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ جناب باقوری صاحب اُردو بالکل نہیں جانتے اور مفتی صاحب کا یہ مقالہ اُردو میں تھا، ظاہر ہے جناب باقوری صاحب نے یہ جملہ مروت کے طور پہ کہا ہوگا۔ دوسرے جناب باقوری شیخ الازہر نہیں ہیں۔ شیخ الازہر اُس وقت بھی اور آج بھی الشیخ المامون ہیں۔ جناب باقوری "مدیر الازہر" ہیں، جس کے معنی ناظم یا ایڈمنسٹریٹر کے ہیں۔

مزید برآں یہ یاد رہے کہ جناب باقوری اُن علماء ازہر میں سے ہیں، جنہوں نے صدر ناصر کا شروع سے ساتھ دیا۔ اور موصوف کی "اشتراکیۃ عربیۃ" کی پوری حمایت کی۔ اور اس سلسلے میں اُنہوں نے اخوان مسلمون سے جس تنظیم کے کہ وہ رُکن تھے، علیحدگی بھی اختیار کر لی۔ (م۔ س)

طابع ظہیر الدین مطبع استقلال پریس لاہور، ناشر ڈاکٹر فضل الرحمٰن ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد (پاکستان)